علوم اسلامیہ کے سرچشمے

علی گڑھ سیمنار میں مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کی تقریر

۱۵ ؍جنوری ۷۷ء کو اس سیمنار کا اختتامی جلسہ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کے پرو وائس چانسلر پروفیسر محمد شفیع صاحب کی صدارت میں ہوا۔ اس موقع پر مولانا سید ابوالحسن علی ندوی (ناظم ندوۃ العلماء) سے اختتامی خطاب کی فرمائش منتظمین جلسہ نے کی۔ شرکاء جلسہ میں پروفیسر اے۔ ایم خسرو وائس چانسلر مسلم یونیورسٹی علی گڑھ، ڈاکٹر مسعود حسین خاں وائس چانسلر مسلم یونیورسٹی علی گڑھ، ڈاکٹر مسعود حسین خان وائس چانسلر جامعہ ملیہ دہلی اور وہ سب فاضل مقالہ نگار موجود تھے۔ جنھوں نے چار روزہ سیمنار میں اپنے مقالات پڑھے اور بحث و گفتگو میں حصہ لیا۔ ان کے علاوہ یونیورسٹی اور شہر کے متعدد صاحب ذوق اصحاب اور خواتین موجود تھیں۔

مہارت اور اختصاص ضروری ہے۔

حضرات! میں آپ کی اس عزت افزائی کا شکر گذار ہوں کہ آپ نے مجھے اس علمی مجلس کے افتتاح کے موقع پر اپنے خیالات کے اظہار کا موقع دیا۔ اب اس کے آخری نشست کے اختتام پر بھی مجھے تقریر کا موقع دیا ہے۔ آغاز و انجام میں خاص مناسبت ہے۔ میں آپ کے اس اعتماد و اعزاز کے لئے دل سے شکر گذار ہوں۔ مجھے بڑی مسرت ہے کہ علوم اسلامیہ اور دینی موضوعات سے کچھ عرصہ سے عصری دانش گاہوں کے فضلاء بھی دلچسپی لینے لگے ہیں اور یہ سیمنار اس کی دلیل ہے۔ اب علوم اسلامیہ کے ایک خادم اور میدان تحقیق کے پرانے مسافر کو اقبال کے لفظ میں یہ کہنے کا حق ہے کہ ؎

گئے دن کہ تنہا تھا میں انجمن میں
یہاں اب مرے رازداں اور بھی ہیں

دماغی صلاحیتوں کا خزانہ کسی ایک طبقہ میں مرکوز نہیں ہے۔ نہ کبھی مرکوز رہا ہے اور نہ کبھی مرکوز ہو سکتا ہے اور ایسا ہونا کچھ اچھا بھی نہیں۔ اس طبقہ کے لئے خواہ یہ بات کتنی ہی نازش و افتخار کی ہو۔ لیکن انسانیت کے حق میں یہ کوئی بہتر بات نہیں ہے کہ انسانی ذہانتوں کا خزانہ اور محنتوں کا ذخیرہ کسی ایک طبقہ میں مرکوز

ہوکر رہ جائے، جہاں تک اسلام کا تعلق ہے آپ سب جانتے ہیں کہ اسلام میں علمائے دین کا کوئی مخصوص موروثی طبقہ نہیں ہے۔ کلرجی (CLERGY) اور پریسٹ ہڈ (PRIST HOOD) کا تخیل مسیحی دنیا میں ملتا ہے اس کا دنیائے اسلام میں کہیں وجود نہیں، اگر ہمارے بعض اہل قلم مصنفین کی تحریروں میں کچھ ایسی تعبیرات اور الفاظ آتے ہیں تو بے سوچے سمجھے یا مغرب کی تقلید میں مثلاً اس وقت عرب مصنفین کے یہاں "رجال الدین" کا ایک لفظ استعمال ہوتا ہے جو تقریباً اسی معنی میں ہے جو مسیحی دنیا میں پریسٹ ہوڈ (PRIST HOOD) کے لئے استعمال ہوتا تھا اس لئے محتاط مصنفین نے جو اسلام کی صحیح فکر کی ترجمانی کرنا چاہتے ہیں۔ ان لفظوں سے ہمیشہ احتراز کیا ہے۔ لیکن علوم اسلامیہ کی طرف عصری دانش گاہوں کے فضلاء کی توجہ پر خوشی کا اظہار کرتے ہوئے بھی میں یہ اضافہ کروں گا کہ کلرجی (CLERGY) اور پریسٹ ہڈ (PRIST HOOD) اسلام میں نہیں ہے لیکن ایکسپرٹ (EXPERT) اور اسپیشلسٹ (SPECILIST) ماہرین فن اور اصحاب اختصاص کا وجود ہمیشہ رہا ہے۔ اور یہ ایک علمی حقیقت ہے۔ اس لئے کہ علوم اتنے پھیل گئے ہیں اور ان میں اتنا تنوع اور وسعت پیدا ہوگئی ہے کہ ایک آدمی کے لئے ہمہ داں ہونا عملاً ناممکن ہے، یورپ میں بھی ترقی اس وقت سے شروع ہوئی جب وہاں تقسیم کار کے اصول پر عمل کیا گیا، اور علوم کے مختلف شعبے تقسیم ہوگئے۔ اور اس کی کوشش مغربی فضلاء نے چھوڑ دی کہ وہ تمام علوم میں اتھارٹی اور سند کا درجہ حاصل کریں جہاں تک مجھے علم ہے یورپ میں اب بھی اس اصول کا احترام مشرق سے زیادہ کیا جاتا ہے۔ وہاں کسی علم کے فاضل بھی بعض اوقات اس علم کے بعید تعلقات کے متعلق بغیر کسی شرم وندامت کو محسوس کئے کہہ دیتے ہیں کہ یہ ہمارا موضوع نہیں اس حقیقت کو تسلیم کرتے ہوئے ہمیں اس کو اصول کے تحت تسلیم کرلینا چاہئے کہ ہماری آئندہ دلچسپیاں اور علمی اور تصنیفی سرگرمیاں کسی خاص موضوع یا فن کے ساتھ مخصوص ہوں گی۔

معیار کی طرف توجہ کی ضرورت ہے

مجھے خوشی اور فخر ہے کہ میں آپ کا ہم سفر ہوں ہم سفری کے اس حق سے فائدہ اٹھاتے ہوئے میں آپ کے سامنے چند باتیں عرض کردینا چاہتا ہوں، آپ اس کو کسی تعریض پر محمول نہ فرمائیں۔ پہلی بات جسے میں محسوس کر رہا ہوں اور آپ میں سے بہت سے لوگ محسوس کررہے ہوں گے بہت سے سینیئر اسکالرز یہاں موجود ہیں جن کے ۳۰، ۴۰ برس اس صحرانوردی میں گزرے ہوں گے۔ کہ علم وتحقیق کا معیار روز بروز گھٹتا جارہا ہے۔ مجھے یورپ کے سفروں میں بھی اس کا احساس ہوا اور میں نے بعض فضلاء سے بھی سنا وہاں بھی اورنٹیل ازم کا جہاں تک تعلق ہے۔ یعنی مشرقی مباحث پر لکھنے کا اس کا معیار فروتر ہوگیا ہے اور وہ بھی محسوس کرتے ہیں کہ جتنی محنت اور جیسا عشق اور لگن گذشتہ نسل کے فضلاء میں تھی اس میں کمی ہے۔ اس کے پیچھے بہت سے عوامل اور (FACTORS) کام کرتے ہیں۔ کچھ سیاسی ہیں کچھ معاشی ہیں۔

استشراق کی ترقی کا راز

ہر علم کے پیچھے بعض بہت طاقت ور محرکات ہوتے ہیں۔ فزکس اور ٹکنالوجی یا اکنامکس

کے چند دائروں کو چھوڑ کر جہاں تک علمی اور نظری مباحث کا تعلق ہے۔ اورنٹیل ازم کو جو یورپ میں اعزاز حاصل تھا مستشرقین اور ان کی کتابوں کی جس طرح قدر ہوتی تھی وہ کم علوم کو حاصل تھی، یہاں تک کہ ادبیات اور لسانیات کے علوم کو بھی شاید وہ درجہ نہیں دیا جاتا تھا۔ اس کے پیچھے ایک بہت بڑا عامل یا (FACTOR) کام کر رہا تھا ہم کو خوشی ہونی چاہیئے کہ وہ اب باقی نہیں رہا، وہ تھا استعمار، مشرق کے سب سے زیادہ سرسبز و شاداب ممالک بدقسمتی یا خوش قسمتی سے مسلمانوں کے زیر اثر تھے۔ ان پر مغرب کی للچائی ہوئی نگاہیں پڑ رہی تھیں۔

استعمار نئی نئی نوآبادیاں (COLONIES) قائم کرنا چاہتا تھا اس لئے وہاں کے قومی مزاج اور خصوصیات اور ان کی خوبیوں سے زیادہ کمزوریوں سے واقف ہونے کی ضرورت تھی اس کے لئے مستشرقین ایک ہراول دستہ (POINEER) کا کام کرتے تھے۔ ان کے پیچھے حکومتوں کی سرپرستی تھی، بڑے بڑے فنڈ اور بڑے بڑے ادارے تھے۔ اور ان کا اکرام بادشاہ اور صدر جمہوریہ کے دربار میں بھی ہوتا تھا یہ (FACTOR) عرصہ ہوا کمزور پڑ گیا ہے۔

دوسرا معاشی عامل (FACTOR) تھا اس پر بھی کچھ اثر پڑا ہے۔ معاشی ڈھانچہ میں ایسی تبدیلیاں ہوئی ہیں کہ اب وہ انعام ملنا مشکل ہے جو پہلے ملتا تھا۔

علم کا عشق

تیسری چیز جو زیادہ توجہ کے قابل ہے اور اس کو میں اصل سمجھتا ہوں وہ ہے علم کا عشق جو ہماری پہلی نسل میں تھا ایک لگن اور خود فراموشی کی کیفیت جو اس عہد میں تصنیفی اور تحقیقی کام کرنے والوں پر طاری رہتی تھی۔

یہ بات کسی خاص دانش گاہ یا جامعہ کو سامنے رکھ کر نہیں کہہ رہا ہوں یہ میرا عام مطالعہ ہے تقریباً سب جگہ یہ محسوس کیا جا رہا ہے اور یہ بدقسمتی کی بات ہے کہ علم سے عشق جو ہمارے اسلاف میں پایا جاتا تھا، اسلاف سے مراد مسلمانوں ہی اسلاف نہیں بلکہ گذشتہ نسل میں پایا جاتا تھا۔ وہ اب بہت کم نظر آتا ہے۔

نواب صدر یار جنگ مولانا حبیب الرحمٰن خاں شروانی کی کتاب "علمائے سلف" جو انہوں نے اسی علی گڑھ میں لکھی ہے اس کو پڑھنے سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ علم کا عشق اس وقت کے مصنفین اور محققین کے دلوں میں کیسا موجزن تھا اور آج اس میں کس قدر نمایاں انحطاط ہوا ہے۔ یہ انحطاط کیوں؟ اس کا تعلق سیاسیات، معاشیات، ادبیات اور اخلاقیات سب سے ہے اس کے پورے اسباب کا تجزیہ کرنا اس وقت نہ ضروری ہے اور نہ اس کی گنجائش ہے لیکن اتنی بات آپ تسلیم کریں گے اور ہمارے معزز شرکاء کار اور حاضرین اس کو تسلیم کریں گے کہ علم سے عشق، شمع علم پر پروانگی کی کیفیت علم و تحقیق کا ایسا جنون کہ کھانے پینے، کپڑے کا ہوش نہ رہے، آج مفقود بلکہ معدوم نظر آتا ہے، علمائے سلف کے واقعات کو چھوڑ دیجئے۔ اسی علی گڑھ میں جو علماء پیدا ہوئے۔ مولانا لطف اللہ علی گڑھی ان کے اس عشق کو دیکھئے اور اس کو بھی آپ چھوڑ دیجئے۔ اس وقت کے مغربی مصنفین کے یہاں "لین" (LANE) جس کا عربی لغت انگریزی دانوں کے لئے ہی

نہیں بلکہ عربی ادب کے ان فضلاء کے لئے بھی قابل استفادہ ہے جو تفصیلات میں جانا چاہتے ہیں، اور وہ مواد یکجا دیکھنا چاہتے ہیں جو بعض اوقات بہت سے عربی لغتوں میں بھی نہیں ملتا۔ میں نے سنا ہے کہ قاہرہ میں جب وہ اس لغت کا کچھ حصہ تیار کر رہا تھا تو مہینوں گذر گئے وہ کہیں نہیں گیا اس کو پتہ نہیں تھا کہ بازار کہاں ہے۔ بازاروں میں جانے اور اہرام مصر جیسے عجائبات عالم کو دیکھنے کی فرصت نہ تھی۔ اس کو آپ بدمذاقی یا مردہ دلی پر محمول کر سکتے ہیں لیکن یہ واقعہ ہے، بہت سی لازوال اور لافانی تصانیف کی تاریخ اگر آپ دیکھیں گے تو آپ کو معلوم ہوگا کہ ان کے مصنفین پر خود فراموشی کا عالم طاری تھا یہ وہ چیز تھی جس نے مغرب و مشرق کے مصنفین کے قلم سے زندہ جاوید تصانیف اور ایسی تحقیقات نکلوائیں (جن سے اختلاف کے باوجود) ان کی علمی قدر و قیمت کا قائل ہونا پڑتا ہے۔

ماضی قریب کی علمی شخصیتیں

میرا روئے سخن خالصاً اپنے ان دوستوں سے ہے جو لکھنے پڑھنے کا کام کرتے ہیں۔ مثال کے طور پر عرض کرتا ہوں کہ مولانا شبلی نے کتب خانہ اسکندریہ پر قلم اٹھانے کی ضرورت محسوس کی۔ ایک زمانہ تھا جب ہندوستان میں مشترک دانش گاہوں میں پڑھنے والے مسلمان طلبا کو چڑھانے کے لئے صرف یہ کہنا کافی تھا "اچھا آپ اس نسل اس مذہب سے تعلق رکھتے ہیں جس کے خلیفہ نے اسکندریہ کا کتب خانہ جلوا دیا تھا" ابھی وہ لوگ موجود ہیں جنہوں نے وہ زمانہ پایا ہے وہ لوگ کہتے ہیں کہ ہم لوگ منہ چھپاتے تھے بلکہ منہ چراتے تھے اور آنکھیں نہیں ملا سکتے تھے کہ اس کا کیا جواب دیں۔ ایک چلی ہوئی کہانی تھی کہ حضرت عمرؓ کو لکھا گیا کہ یہاں ایک کتب خانہ ہے جو ظہور اسلام سے پہلے کا ہے اور اس میں فلاسفہ کی اور منطقیوں کی کتابیں ہیں تو انہوں نے کہا کہ اگر وہ قرآن کے مطابق ہیں تو اس کی ضرورت نہیں اگر خلاف ہیں تو اس کو آگ لگا دینی چاہیئے۔ چنانچہ لوگوں نے یہ فیصلہ کیا کہ وہ قرآن کے خلاف ہیں اور بغیر پڑھے کتب خانے کو آگ لگا دی۔ یہ ایک کہانی تھی جس کو ٹائن بی (TYNBEE) جیسا مؤرخ تک دہراتا ہے۔ ٹائن بی نے جب رسم الخط کی تبدیلی اور کمال اتاترک کی اصلاح پر تبصرہ کیا تو اس نے کہا اب کتب خانہ اسکندریہ کو جلانے کی ضرورت نہیں صرف رسم الخط بدل دینا کافی ہے۔ علامہ شبلی نعمانی نے اس پر قلم اٹھایا اور اس افسانہ کو آخری طور پر ختم کر دیا۔ اب کسی پڑھے لکھے کو یہ بات زیب نہیں دیتی کہ یہ کہے کہ کتب خانہ اسکندریہ حضرت عمرؓ کے زمانہ خلافت میں ان کے حکم سے جلایا گیا۔ انہوں نے قدیم مؤرخین کی شہادتوں سے ثابت کر دکھایا کہ کتب خانہ اسکندریہ حضرت عمرؓ کی خلافت سے پہلے ہی جل چکا تھا اس کا وجود ہی باقی نہیں تھا۔ یا مثلاً انہوں نے جزیہ کے مسئلہ پر قلم اٹھایا تو اس بحث ہی کو ختم کر دیا۔ انہوں نے شعر العجم لکھی تو اہل ذوق اور فارسی دانوں سے اپنا لوہا منوا لیا۔ پروفیسر براؤن (PROF. BROWN) جن کی کتاب "لٹریری ہسٹری آف پرشیا" اپنے موضوع پر (GOSPEL) کا درجہ رکھتی ہے اور دنیا کی اکثر یونیورسٹیوں کے کورس میں داخل تھی نے کہا کہ مجھے اب اردو سیکھنے کی تمنا پیدا ہوتی ہے۔ تو اس لئے کہ میں براہ راست شعر العجم کا مطالعہ کر سکوں۔ یہ سب اس علمی شغف اور

علمی استغراق کا نتیجہ تھا جو ان لوگوں پر طاری تھا۔

مولانا سید سلیمان ندویؒ جن کا اصل موضوع قرآن مجید، سیرت نبویؐ اور تاریخ اسلام تھا۔ انہوں نے "عمر خیام" پر ایک ایسی کتاب لکھی جس کی داد فضلائے ایران نے بھی دی۔ اسی طرح ان کی کتاب "عرب وہند کے تعلقات" محنت و کاوش اور ریسرچ کا اعلیٰ نمونہ ہے۔

میں اس موقع پر "نزہتہ الخواطر" کا بھی ذکر کروں گا، جو میرے والد ماجد مولانا حکیم سید عبدالحئیؒ (سابق ناظم ندوۃ العلماءؒ) کی تصنیف ہے اور عربی میں آٹھ ضخیم جلدوں میں مکمل ہوئی۔ اس میں ہندوستان کے ساڑھے چار ہزار مشاہیر اور اہل کمال کے تذکرے ہیں۔ انہوں نے بیسویں صدی کے آغاز میں اس کام کا بیڑہ اٹھایا جب عربی مطابع کا رواج اور اشاعت کی سہولتیں نہیں تھیں۔ تقریباً ۲۵ سال وہ اس کام میں مشغول رہے۔ اس وقت یورپ میں بھی یہ کتاب ہندوستانی علماء و فضلاء کے حالات معلوم کرنے کا سب سے بڑا ماخذ ہے۔ اسی طرح ان کی دوسری کتاب "الثقافۃ الاسلامیۃ فی الھند" جو ہندوستان میں علوم اسلامیہ اور نصاب درس کی تاریخ اور ہندوستانی علماء کی تصنیفات کی مکمل ڈائرکٹری ہے اس کتاب کو دمشق کی رائل اکیڈیمی "المجمع العلمی العربی" نے ۱۹۵۸ء میں شائع کیا میں نے وہاں کی علمی مجلسوں میں بڑے بڑے فضلاء کو اس کی تعریف اور مصنف کی محنت کا اعتراف کرتے ہوئے پایا۔

علم محنت بھی ہے اور انعام بھی

ایک آدمی اس وقت وہ کام کرتا تھا جو ایک اکیڈیمی اس وقت انجام نہیں دیتی۔ یہ سب ایک آدمی کی محنت کا نمود، ایک آدمی کی محنت کا کرشمہ اور ایک آدمی کے علم سے عشق کا نتیجہ ہے۔ آج اکیڈیمیاں، بڑے بڑے ادارے اور شعبے موجود ہیں۔ لیکن سالہا سال میں وہ کوئی ایسی پیش کش نہیں کر پاتے جسے دیکھ کر اس علم کے ماہر یہ کہیں کہ ہاں یہ اوریجنل ORIGINAL چیز ہے بعض کتابیں دیکھ کر غالب کا وہ مصرع پڑھنا پڑتا ہے ع

اب آبروئے شیوۂ اہل نظر گئی

محنت کے معیار کو بڑھانے کی ضرورت ہے علم محنت بھی ہے، انعام بھی ہے، پیاس بھی ہے، پانی بھی، بھوک بھی ہے غذا بھی۔

جب تک اپنے فن سے اتنا تعلق نہ ہو کہ آدمی کو کتاب لکھنے پر اتنی خوشی ہو کہ وہ کہے اب مجھے اس ڈیپارٹمنٹ کا چیرمین بنایا جائے یا نہ بنایا جائے۔ میں نے اپنا کام کر دیا میری محنت وصول ہوگئی۔

آج کے فضلاء اپنی کتاب اور تحقیق کو مکمل نہیں کر چکتے کہ وہ اس کے انعام کے متوقع ہوجاتے ہیں۔ سب کی نگاہیں عہدے اور منصب کی ترقی، شہرت و ناموری اور تنخواہوں کی کمی بیشی پر لگی ہوئی ہیں اور ان کی ذہانت و توجہ کا بڑا حصہ اسی مقصد پر صرف ہوتا ہے۔ آپ بہت سے SMS سے واقف ہیں ایک نئے ISM کا اضافہ کر لیجئے جو ہماری دانش گاہوں

اور تعلیمی مرکزوں میں تیزی سے پھیل رہا ہے اور وہ ہے (CAREERISM) کیریزم ۔ یعنی (CAREER) کو بہتر بنانا اور تقرب اور علم کے ذریعے جاہ طلبی ۔

دلچسپی اور شغف عارضی نہ ہو

دوسری چیز یہ کہ یہ دلچسپی اور شغف عارضی نہ ہو مثلاً کسی سیمنار کے لئے ہم کسی موضوع کو اپنے اوپر تھوڑی دیر کے لئے طاری کرلیں پھر اس کے بعد جیسے جگالی کی جاتی ہے پڑھ کر ہم اس کو اگل دیں اور نہ ہمیں اس موضوع سے محبت ہو اور نہ وفاداری ہو نہ فکر ہو کہ اس سلسلے میں کیا ہوا ۔ نہ اس میں اضافہ کرنے کا شوق ہو ۔ اس موقع پہ اقبال سے مدد لیتا ہوں انہوں نے اس حقیقت کو خوب بیان کیا ہے کہ ؎

مقصودِ ہنر سوزِ حیاتِ ابدی ہے یہ ایک نفس یا دو نفس مثلِ شرر کیا

علم اور تحقیق بھی ایک ہنر ہے اور اس ہنر کو زندگی بھر کا ساتھ دینا چاہئے اس میں مقصدیت پیدا ہونی چاہئے ۔ وہ مثلِ شرر نہیں کہ بھڑکا اور بجھ گیا ۔

علوم اسلامیہ کے سوتے ایمانیات سے ملتے ہیں

جہاں تک علوم اسلامیہ کا تعلق ہے آپ بیشک ۔ اجتہاد کی ضرورت پہ مقالے پڑھیں ہم سب اس کو تسلیم کرتے ہیں ۔ یہ الگ بات ہے کہ اس کا دروازہ بند ہوجانے کے اسباب کیا تھے اور کہاں تک جائز تھے ۔ لیکن میں ایک بات کہوں گا جہاں تک علوم اسلامیہ کا تعلق ہے ، اس کے کچھ سوتے ایمانیات سے ملتے ہیں ۔ بلکہ ان کا اصل سرچشمہ وہی ہے ۔ اس لئے ہمارا طرز عمل ان کے بارے میں وہ نہ ہونا چاہئے جو ایک غیر مسلم مستشرق (ORIENTALIST) کا ہوتا ہے کہ ہم صرف بحث کریں اور ہمیں نہ اس سے کوئی دلچسپی ہو ۔ نہ اس سے اتفاق ہو ۔ ایک حد تک اتفاق بھی ہونا چاہئے ۔ اور اگر وہ ایمانیت سے تعلق رکھتا ہے تو اس پہ ایمان بھی ہونا چاہئے اور کسی حد تک ہماری عملی زندگی میں اس کی نمود ہونی چاہئے ۔ میں اپنے بچپن میں ایک حکیمانہ مقالہ سنا کرتا تھا کہ "یک من علم را دہ من عقل باید" ایک من علم ہو تو دس من عقل ہونی چاہئے ورنہ آدمی اس کا صحیح استعمال نہ کرسکے گا ، تو میں یہ ترمیم کردوں گا کہ تحقیق کی کسی بڑی سے بڑی مقدار کے ساتھ کسی تناسب سے تقویٰ بھی ہونا چاہئے ، اس لئے کہ یہ مسئلہ علوم اسلامیہ کا ہے جس کا تعلق ایمانیات سے ہے اگر ہم اس پہ اس طرح عمل جراحی کرتے ہیں جیسا کسی مردہ لاش کا پوسٹ مارٹم کیا جاتا ہے تو یہ مناسب نہیں ، تنقید میں کسی قسم کی توہین یا تضحیک کی شان نہیں ہونی چاہئے کہ طنزیات و تضحیک کو خالص علمی مزاج سے کوئی مناسبت نہیں آپ کا اپروچ APPROACH خالص علمی (SCIENTIFIC) خالص اکیڈیمک (ACADEMIC) ہو ۔

جو لوگ علم کی ذمہ داریوں اور تحقیقات و نظریات کی تغیر پذیری سے واقف ہیں وہ اپنے کسی علمی نظریئے یا تحقیق کے پیش کرنے میں جزم و وثوق اور قطعیت کے الفاظ استعمال کرنے سے احتراز کرتے ہیں ۔ وہ اپنے کسی نئے خیال کو اس

طرح نہیں پیش کرتے کہ وہ گویا اس موضوع پر حرف آخر اور تمام پچھلی تحقیقات پر خط تنسیخ پھیر دینے والا ہے وہ کہتے ہیں کہ میرے اس وقت کے مطالعہ اور تحقیق نے اس نتیجہ تک پہنچایا ہے۔ ممکن ہے کہ آئندہ اس میں تبدیلی کرنی پڑے یا کوئی نئی بات ثابت ہو۔ یا مجھے اندیشہ ہے کہ یہ بات اس طرح ہو۔ مجھے بدرالدین طیب جی کا یہ جملہ پسند آیا جو انہوں نے کل ایک نشست کی صدارت کرتے ہوئے ایک مقالہ نگار سے کہا کہ مجھے اندیشہ ہے کہ آپ کا وقت ختم ہو گیا ہو (I AM AFRAID YOUR TIME IS OVER) وہ یہ بھی کہہ سکتے تھے کہ حضرت آپ کا وقت ختم ہو گیا ہے۔ لیکن انہوں نے اس کو بڑے لطیف انداز سے ادا کیا ہم اس سے سبق لے سکتے ہیں۔ قلم پکڑیں تو آپ کو اول سے آخر تک علم کا احترام اور اس شخص کا احترام بھی ملحوظ رکھنا چاہئے جس نے اپنا وقت صرف کیا جس نے اپنی آنکھیں خراب کیں جس نے اتنا مواد فراہم کیا۔

عربی زبان کی اہمیت

عربی زبان کی اہمیت بنیادی چیز ہے اگر آپ کو علوم اسلامیہ پر کوئی کام کرنا ہے تو یہ بڑے نفس لیفکشن (DISQUALIFICATION) کی بات ہوگی۔ آپ عربی سے ناآشنا ہوں قرآن، حدیث اور اسلامیات پر لکھنے والے بہت سے مشرقی اور مغربی فضلا سے عربی نہ جاننے کی وجہ سے نادانستہ ایسی غلطی ہو جاتی ہے جو بعض اوقات ان کے پورے علمی کارنامے پر پانی پھیر دیتی ہے۔

مجھے ایک دوست نے بتایا کہ دہلی میں کوئی سیمینار ہو رہا تھا اس میں ایک صاحب جنہوں نے انگریزی میں قرآن مجید کا تذکرہ کیا تھا، تقریر کر رہے تھے تو مشہور عرب ادیبہ اور مورخہ عائشہ بنت الشاطیؒ نے جو اس سیمینار میں شریک تھیں ان سے عربی میں خطاب کیا تو انہوں نے بے تکلفی سے کہا کہ میں عربی نہیں سمجھتا تو عائشہ نے کہا کہ قرآن مجید کا ترجمہ پھر آپ کیسے کرتے ہیں؟ اس کے بعد وطن جا کر انہوں نے مصر کے کثیر الاشاعت اخبار "الاہرام" میں اس پر کئی قسطوں میں مضمون لکھا کہ "میں نے عجائبات عالم میں سے ایک عجیب چیز یہ دیکھی کہ ایک شخص نے قرآن مجید کا ترجمہ کیا اور وہ عربی سے ناواقف تھا۔"

آپ حضرات آسانی کے ساتھ اس پر قابو پا سکتے ہیں اور عربی زبان میں وہ دسترس حاصل کر سکتے ہیں جس سے آپ غلطیوں سے بچ سکیں اس سلسلے میں عربی مدارس آپ سے بھرپور تعاون کریں گے۔

انتشار انگیزی سے احتراز کیجئے

بعض فضلاء اپنے نظریات و تحقیقات کے اظہار میں بہت عجلت سے کام لیتے ہیں ان کی اشاعت ہو جاتی ہے پھر وہ کچھ عرصہ بعد خود ہی ان سے رجوع کر لیتے ہیں اس میں کوئی شک نہیں کہ وہ اپنا اخلاقی فرض انجام دیتے ہیں۔ لیکن جو لوگ اس عرصہ میں ان نظریات و تحقیقات کے ساتھ اس دنیا سے رخصت ہو جاتے ہیں ان کی ذمہ داری کس پر ہے؟ یہ مسئلہ اور

زیادہ سنگین ہوجاتا ہے جب اس کا تعلق ایمانیات اور عقائد سے ہو۔ اس لئے ہمیں اپنی تحقیقات کی اشاعت و تبلیغ کے بارے میں (خاص طور پر جب ان کا تعلق عقائد اور دینیات سے ہو) عجلت اور بے صبری سے کام نہیں لینا چاہئے۔ ان کو شک و شبہ کی نگاہ سے دیکھنا چاہئے۔ ماہرین فن کے سامنے پیش کرنا چاہئے اور ان کی رائے اور مشورہ کا انتظار کرنا چاہئے۔ پھر اس کے بعد اس کی اشاعت کی اجازت دینی چاہئے۔ یہ دورِ انتشار ہے۔ اس وقت طبیعتیں انتشار انگیزی کے لئے ہر وقت آمادہ ہیں۔ انسان ہمیشہ سہولت پسند اور حیلہ جو واقع ہوا ہے۔ جدید تمدن نے سائنسی ترقی کی رفتار نے اور معیار زندگی کی بلندی نے اس کو زیادہ سہولت پسند اور انتشار پسند بنا دیا ہے۔ اس لئے ہم ایسی بات کہنے سے احتراز کریں جس سے لوگوں میں انتشار پیدا ہو۔

۱۹۶۷ء میں جب عربوں کو اسرائیل کے مقابلے میں شکستِ فاش ہوئی تو میں نے اپنے ایک انٹرویو میں کہا تھا کہ اس میں بہت بڑی ذمہ داری ان تشکیک پسندادبا، اور مصنفین پر ہے۔ جنہوں نے ہماری جدید عرب نسل کی بنیادوں کو ہلا کر رکھ دیا۔ تمام قدیم اقدار کو انہوں نے متزلزل کر دیا۔

میں شکر گزار ہوں وائس چانسلر صاحب پرو وائس چانسلر صاحب پروفیسر حقی صاحب اور ان سب حضرات کا جو اس سیمنار سے تعلق رکھتے ہیں کہ انہوں نے مجھے عزت بخشی اور بڑے اعتماد کا اظہار کیا۔ میں پورے وثوق کے ساتھ کہتا ہوں کہ میں نے جو کچھ اس سیمنار میں کہا، مخلصانہ کہا

خدا کرے کہ میں بھی اس سے فائدہ اٹھاؤں اور آپ بھی اپنے جوہر اور کمالات میں اضافہ کریں ؛

کی بنیاد رکھی لیکن وہاں سے تراجم و تصانیف کا سلسلہ چل پڑا لیکن اس کا فیض دارالعلوم دیوبند کے گرد کو بھی نہ پہنچ سکا

بہرحال حضور کو تبلیغ کا حکم دیا گیا اور فرمایا گیا کہ

فی ۔نت علیہم بوکیل انہوں نے اس کی تعمیل جن طریقوں سے کی اس میں ہمارے لئے اسوۂ حسنہ چھوڑا۔

کہ ہمیں تبلیغ کے مؤثر نہ ہونے کی وجہ سے مایوس نہ ہوجانا چاہئے کہ باطل کا مقابلہ کس طرح کر سکیں گے ؟

ایک زمیندار سال بھر کھیتی باڑی کرتا رہتا ہے۔ محنت اور مشقت اٹھاتا ہے۔ ہل چلاتا ہے۔ غلہ بوتا ہے اللہ تعالیٰ کی مرضی ہو تو فصل اُگ جاتی ہے اور کھیت سرسبز ہو جاتا ہے اور مرضی نہ ہو تو فصل تباہ اور برباد ہو جاتی ہے باغ اجڑ جاتے ہیں محنت ضائع ہو جاتی ہے۔ مگر ایک زمیندار مایوس ہو کر کام نہیں چھوڑتا۔ گھبراتا نہیں اور خدا کے بھروسے سے کام اور محنت کرتا رہتا ہے۔ اسے یہ امید ہے توکل ہے کہ بارش برس جائے گی۔ اور اس کی نظر ظاہری اسباب پر نہیں دین کا کام بھی ہونا چاہئے گو ہر طرف مایوسی کیوں نہ ہو ؛

وضو قائم رکھنے کے لئے جوتے پہننا بہت
ضروری ہے ہر مسلمان کی کوشش
ہونی چاہیئے کہ اس کا وضو قائم رہے۔

سروس انڈسٹریز

پائیدار۔ دلکش۔ موزوں اور
واجبی نرخ پر جوتے بناتی
ہے

Servis

سروس شوز

قدم قدم حسین قدم قدم آرام

اعلیٰ بناوٹ

دلکش وضع

دل فریب رنگ کا

حسین امتزاج

دنیا کے مشہور

SANFORIZED

REGISTERED TRADE MARK

سنفورائزڈ پارچہ جات

سکڑنے سے محفوظ

۲۰ ایس سے ۸۰ ایس کی سوت کی

اعلیٰ بناوٹ

گل احمد ٹیکسٹائل ملز لمیٹڈ

ستار چیمبرز

۲۹- ویسٹ وارف کراچی

ٹیلیفون

۲۳۳۹۹۳ ، ۲۳۸۷۰۵

۲۲۵۵۳۹

تار کا پتہ :- آباد ملز